اراضیِ ہند کی شرعی حیثیت

چند قدیم تحریریں

از

جناب نور الحسن صاحب راشد کاندھلوی

اراضی ہند کا مسئلہ کئی سو سال تک علماء کے درمیان مختلف فیہ رہا ہے، متعدد علماء نے اس موضوع پر داد تحقیق دی، قدیم علماء میں شیخ جلال الدین[1] تھانیسری نے "تحقیق اراضی الہند" کے نام سے ایک مختصر جامع اور پُر مغز رسالہ تحریر فرمایا تھا، یہ رسالہ

---

[1] شیخ جلال الدین بن قاضی محمود (محمد؟) فاروقی تھانیسری، شیخ عبد القدوس گنگوہی (متوفی ۹۴۵ھ) کے خلیفہ اور بلند پایہ علماء میں سے تھے، اکبر نے جب اپنے بھائی حکیم مرزا پر فوجکشی کی تو وہ راستہ میں شیخ جلال سے ملا تھا، شیخ جلال نے تمام عمر درس و تدریس کا بازار گرم رکھا، آخر عمر میں نہایت ضعیف اور کمزور ہو گئے تھے ۹۵ سال کی عمر میں ۱۴ ذی الحجہ ۹۸۹ھ مطابق ۱۵۸۱ء میں انتقال ہوا، شیخ الاولیاء سے تاریخ وفات نکلتی ہے، تھانیسر میں اپنی خانقاہ کے صحن میں مدفون ہیں، آراضی ہند کے علاوہ متعدد درسی کتابوں کے حواشی اور تصوف میں ارشاد الطالبین علمی یادگار ہے:

شیخ جلال نے تھانیسر (کروکشیتر) میں کوروپانڈو کے مشہور تاریخی قلعہ پر قیام فرمایا تھا، یہیں آپ کی عظیم الشان خانقاہ، مسجد اور مدرسہ تھا، مسجد میں آج کل ایک بھنگن مقیم ہے، مدرسہ کی بھی کچھ عمارت

بہت کمیاب ہے، صرف چند کتب خانوں میں اس کے قلمی نسخے پائے جاتے ہیں، مؤلف کا قریب العہد قلمی نسخہ ان کے خاندانی اعزہ کے ذخیرۂ کتب میں چند سال پہلے موجود تھا، مگر اس وقت دستیاب نہ ہو سکا، اس نسخہ کی ایک نقل کتب خانہ مظاہر العلوم میں اور ایک ہمارے مختصر سے ذخیرۂ کتب میں محفوظ ہے،

یہ رسالہ ۱۳۰۲ھ میں مطبع احمدی میں طبع بھی ہو چکا ہے، مگر اس قدر غلط چھپا ہے، کہ اس سے صحیح مفہوم اخذ کرنا بہت دشوار ہے، چار پانچ سال قبل اسی مطبوعہ نسخہ کو بنیاد بنا کر کراچی (پاکستان) سے مع متن اردو ترجمہ شائع کیا گیا ہے،

تحقیق اراضی الہند کی تالیف کے بعد بھی علماء نے اپنے فتاویٰ اور تالیفات کے ذریعہ اراضی ہند کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی، اسی سلسلہ کی ایک اہم کڑی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کا بھی یہی حال ہے، مزار کا مجاور ایک ہریجن بنا ہوا ہے، اس نے قبہ مزار کے اندر اسی پوجا پاٹ کی جگہ بنائی ہے، یہ حال دیکھ کر بڑی عبرت ہوتی ہے، مزار کا قبہ خستہ حال تھا، ایک صاحب خیر نے حال میں اس کی مرمت کرا دی ہے، جس سے مزار محفوظ ہو گیا، تفصیل کے لئے دیکھئے اخبار الاخیار شیخ عبد الحق محدث دہلوی ص ۲۴۳، مطبع مجتبائی دہلی ۱۲۸۳ھ، سفینۃ الاولیا شہزادہ دارا شکوہ ص ۱۰۲، ۱۰۱، نولکشور لکھنؤ ۱۸۷۲ء، خزینۃ الاصفیاء مفتی غلام سرور لاہوری ص ۴۴۵ جلد ۱ نولکشور ۱۸۷۳ء، انوار العارفین مولوی محمد حسین مراد آبادی ص ۲۰۴ نولکشور لکھنؤ ۱۸۷۶ء، نزہۃ الخواطر [illegible] الحسنی رائے بریلوی ص ۸۲-۸۳ جلد ۴، تاریخ مشائخ چشت پروفیسر خلیق احمد نظامی ص ۲۲۴-۲۲۵، ندوۃ المصنفین دہلی ۱۹۵۳ء، شیخ عبد القدوس گنگوہی اور ان کی تعلیمات مولانا اعجاز الحق قدوسی ص ۵۲۵، ۵۳۹، آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کراچی ۱۹۶۱ء،

قاضی ثناء اللہ پانی پتی[1] کے وہ فتاوے ہیں، جن کے بارے میں ذیل کی سطور لکھی جارہی ہیں:۔

---

[1] قاضی محمد ثناء اللہ بن مولوی حبیب اللہ بن مولوی ہدایت اللہ عثمانی پانی پتی کی ۱۱۴۳ھ میں پیدائش ہوئی، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (المتوفی ۱۱۷۶ھ) سے علوم ظاہری اخذ کئے، ۱۶ سال کی عمر میں تعلیم سے فارغ ہو گئے، باطنی علوم میں شیخ عابد سنامی (متوفی ۱۱۶۰ھ) سے استفادہ کیا، پھر شیخ کے فرمان کے مطابق حضرت مرزا مظہر جانجاناں (متوفی ۱۱۹۵ھ) سے اکتساب فیض کیا، حضرت مرزا صاحب کو قاضی ثناء اللہ سے بیحد تعلق تھا، علم الہدیٰ کے لقب سے یاد کرتے تھے، اور فرماتے کہ اگر خدا بروز قیامت از بندہ بپرسد کہ در درگاہ ما چہ تحفہ آوردی، عرض کنم ثناء اللہ پانی پتی را، قاضی ثناء اللہ کا اسّی سال کی عمر میں ۱ رجب ۱۲۲۵ھ مطابق ۱۸۱۰ء میں انتقال ہوا، مزار مبارک پانی پت میں شیخ جلال الدین کبیرالاولیاء پانی پتی (متوفی ۷۶۵ھ) کی درگاہ کے قریب ایک بڑے احاطہ میں ہے، قاضی صاحب کے برابر ہی مرزا مظہر جانجاناں کی دوسری اہلیہ مدفون ہیں، ۱۹۴۷ء کے بعد اس احاطہ کی کیفیت ناگفتہ بہ تھی، خدا جزائے خیر دے ایک ترکی عالم نے اس کی مرمت کرا کے محفوظ کرادیا،

قاضی ثناء اللہ کی چونتیس[ع] تالیفات کا علم ہوسکا ہے، جن میں سے اکتیس[۲۱] کے قلمی یا مطبوعہ نسخے راقم سطور کی نظر سے گذرے ہیں، قاضی صاحب کی مشہور تالیف حقوق الاسلام کا مؤلف کا تصحیح کردہ قلمی نسخہ راقم کے ذخیرۂ کتب میں محفوظ ہے، قاضی صاحب کی تالیفات میں حدیث مظہری، تفسیر مظہری اور ما لابد منہ (الاقویٰ دفقہ میں) امتیازی حیثیت رکھتی ہیں، حدیث مظہری کا قلمی نسخہ مہاراج گنج میں موجود ہے، الاخذ بالاقوی کے کسی نسخہ کا سراغ نہیں ملتا، تفسیر مظہری سب سے پہلے نصف اوّل دو جلدوں میں حیدرآباد سے پھر میرٹھ سے، اور آخر میں مکمل شکل میں دہلی سے طبع ہوئی ہے، تفسیر مظہری کے اردو میں متعدد ترجمے ہوئے، آخری اور مکمل ترجمہ مولانا عبدالدائم جلالی کا ہے، قاضی صاحب کی چند تالیفات اور تفسیر مظہری کے مسودہ کی زیارت کیلئے راقم سطور

ع تذکرہ اولیائے ہند مؤلفہ مرزا محمد اختر دہلوی گلانی کیرانوی میں ص ۱۱۴ پر قاضی صاحب کی وفات ۱۲۱۶ھ تحریر کی ہے، یہ صحیح نہیں ہے،

ان فتاوی کا شان نزول یہ ہے کہ قاضی محمد اعلیٰ تھانوی مؤلف کشاف اصطلاحات الفنون

(بقیہ حاشیہ ص ۲۷۱) مولانا شاہ زید ابو الحسن فاروقی (خانقاہ حضرت شیخ ابو الخیر دہلی) کا ممنون ہے، (تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو مقامات مظہری از شاہ غلام علی ص ۵۷ تا ۸۷، مطبع احمدی دہلوی ۱۳۶۹، نزہۃ الاصفیار ص ۹۰ - ۹۵، ۶۰۹ ج ۱، الیانع الجنی فی اسانید الشیخ عبد الغنی، الشیخ حسین بن محسن یمانی ص ۷۶، دار الاشاعۃ دیوبند ۳۰ و ۶۲ نزہۃ الخواطر ص ۳۱۱ ج ۲ ۱۱۴۷ ب ۷، حالات مشائخ نقشبندیہ مجددیہ مولانا محمد حسین نقشبندی، ص ۲۸۰ - ۳۰۲، ناشر ملک فضل الدین گگے زئی لاہور طبع دوم،

سلہ مولوی محمد علی ابن شیخ علی بن شیخ حامد بن شیخ العلماء قاضی محمد صابر متوفی ۱۰۹۶ھ فاروقی تھانوی قاضی محمد اعلیٰ ہندوستان کے ان جلیل القدر علماء میں سے ہیں، جن پر سرزمین ہند ہمیشہ فخر کرتی رہے گی، کشاف اصطلاحات الفنون قاضی محمد اعلیٰ کی مشہور تالیف ہے، قاضی اعلیٰ اس کی ترتیب سے ۱۱۵۸ھ میں فارغ ہوئے، کشاف اصطلاحات الفنون کا قلمی نسخہ (غالباً نسخۂ مؤلف) مولانا ابو الحسن بن مفتی الٰہی بخش کاندھلوی (متوفی ۱۲۶۹ھ) کے کتب خانہ کی زینت تھا، یہ نسخہ مولانا مملوک علی (متوفی ۱۲۶۷ھ) کے ذریعہ سے ڈاکٹر اسپرنگر کو ۱۸۵۲ء میں ملا، اسپرنگر نے کشاف اصطلاحات کے پیش لفظ میں نسخۂ دہلی کا ذکر کیا ہے، اس سے یہی نسخہ مراد ہے، اسکو اسپرنگر نے ولیم ناسولیس کے تعاون سے ایڈٹ کیا، اور ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ نے اسے پہلی بار ۱۸۶۲ء میں شائع کیا، دوبارہ پھر سوسائٹی کے زیر اہتمام ۱۸۹۲ء میں طبع ہوئی، اس کے بعد آستانہ ترکی سے ۱۳۱۷ھ میں حرف جلد اول تین حصوں میں چھپی، پھر ۱۹۶۶ء میں قاہرہ سے طبع ہوئی، آخری اڈیشن چھ خوبصورت دیدہ زیب جلدوں پر مشتمل ۱۹۶۶ء میں بیروت سے آیا ہے، ان میں سے طبع دوم کلکتہ نزہۃ کی اور بیروت کے اڈیشن راقم کی نظر سے گذرے ہیں،

اپریل ۱۸۰۵ء

نے اراضی مدد معاش کے سلسلہ میں ایک حکم تحریر فرمایا تھا، مفتی الٰہی بخش؎ کاندھلوی نے یہ حکم نامہ

بقیہ حاشیہ ص ۲۷۱ ؎ قاضی محمد اعلیٰ کی تالیف "حاشیہ صدرا" کا قلمی نسخہ بخط مؤلف راقم کے ذخیرہ کتب میں محفوظ ہے،

یوسف سرکیس نے سبق الغایات فی نسق الآیات کو بھی قاضی محمد اعلیٰ کی تالیف میں شمار کرایا ہے (معجم المطبوعات العربیہ والمعربہ کالم ۲۷۶/۱ مطبع سرکیس مصر ۱۳۴۶ھ) یہ درست نہیں، سرکیس کو علی اور تھانوی کے لفظ سے اشتباہ ہوا، (عام طور پر مورخین محمد اعلیٰ تھانوی کو محمد التھانوی یا علی التھانوی سے ذکر کرتے ہیں) معجم المطبوعات سے یہ غلطی الاعلام خیر الدین زرکلی ص ۱۰۸، ۱۰۹/۷ (طبع ثالث بیروت) میں نقل ہوئی، اور اب اس غلطی کو درجہ سند حاصل ہو گیا، حالانکہ سبق الغایات فی نسق الآیات مولانا اشرف علی تھانوی (متوفی ۱۳۶۲ھ) کی تالیف ہے، قاضی محمد اعلیٰ کی طرف اس کی نسبت درست نہیں، دیکھیے فہرست تالیفات اشرفیہ مرتبہ مولوی عبد الحق ص ۱۲ (دلی پرنٹنگ پریس لکھنؤ ۱۳۵۰ھ) اشرف السوانح خواجہ عزیز الحسن مجذوب ص ۹۲/۳ (دبی پریس لکھنؤ ۱۳۵۴ھ) نزہۃ الخواطر ص ۵۰۸/۵،

قاضی محمد اعلیٰ تھانوی نے ۱۱۹۱ھ میں وفات پائی (بیاض قلمی مفتی الٰہی بخش کاندھلوی) قاضی محمد اعلیٰ کا ذکر اکثر کتب حوالہ میں ملتا ہے، مگر عجیب اتفاق ہے کہ قاضی صاحب کے صحیح نام میں اکثر مورخین کو سہو ہوا، صحیح نام اور نسبتہً تفصیلی تذکرہ نزہۃ الخواطر میں ۲۷۰ میں ملتا ہے،

؎ مفتی الٰہی بخش فرزند مولانا حکیم شیخ محمد عرف شیخ الاسلام صدیقی کاندھلوی ۱۱۶۲ھ میں پیدا ہوئے والد محترم سے تعلیم حاصل کی، پھر حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی (متوفی ۱۲۳۹ھ) کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور تین سال تک مختلف کتابیں پڑھیں (تذکرہ مفتی الٰہی بخش قلمی مرتبہ مولوی محمد سلیمان کاندھلوی متوفی ۱۳۰۵ھ) شاہ عبد القادر (متوفی ۱۲۳۰ھ) شاہ رفیع الدین (متوفی ۱۲۳۳ھ) اور ملک الشعراء مرزا قمر الدین منت سونی پتی (المتوفی ۱۲۰۸ھ) کے ہم درس رہے، (نزہۃ الخواطر ص ۲۶۹/۷) (بقیہ حاشیہ ص ۲۷۴ پر)

اظہار خیال کرتے ہوئے قاضی ثناء اللہ پانی پتی کو بھیجا، قاضی صاحب نے مختصر الفاظ میں وجہ معاش کا

(بقیہ حاشیہ) مفتی الٰہی بخش شاہ عبد العزیز کے شاگردوں میں امتیازی حیثیت رکھتے تھے شاہ فرماتے ہیں۔

"میرے شاگردوں میں تین آدمی نہایت لائق اور عمدہ ہیں، مولوی رفیع الدین اور مولوی الٰہی بخش جو بقید حیات ہیں، اور کلکتہ میں مولوی مراد علی ہیں، انھوں نے پڑھنے پڑھانے کا شغل چھوڑ دیا ہے، اور تجارت کرتے ہیں (ملفوظات و کمالات عزیزی ص ۵۹ مترجم مفتی انتظام اللہ شہابی طبع پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی ۱۹۶۰ء)

حضرت شاہ عبد الغنی (بن شاہ ولی اللہ متوفی ۱۲۰۲ھ) سے مسلسل بالاولیہ کی سند حاصل کی، (بیاض قلمی مفتی الٰہی بخش) حضرت شاہ غلام علی (متوفی ۱۲۴۰ھ) اور مولانا سید قطب الہدیٰ رائے بریلوی (متوفی ۱۲۰۳ھ) سے صحاح ستہ کی ضروری قرات کا شرف حاصل ہے، (فضائل عزیزیہ ص ۲۰) طب میں حکیم علوی خان سے استفادہ کیا"

تعلیم مکمل کرنے کے بعد نجیب الدولہ (متوفی ۱۱۸۴ھ ۱۷۷۰ء) کے دربار سے بحیثیت مفتی اول وابستہ ہے اور ضابطہ خاں کی وفات ۱۱۹۹ھ ۱۷۸۵ء تک اسی عہدہ پر فائز رہے، ضابطہ خاں کی وفات کے بعد امیر نگر، بریلی، بھوپال تھانہ بھون، خورجہ، سہارنپور، گوشہ (راجستھان) وغیرہ میں درس تدریس اور ملازمت کا سلسلہ رہا، آخر عمر میں وطن آ گئے تھے، وطن میں بھی درس و تدریس کا سلسلہ برابر جاری رہا مفتی صاحب کے تلامذہ کی فہرست بہت طویل ہے، مولانا عبد الحئی رائے بریلوی مفتی صاحب کا تذکرہ کرتے ہوئے، ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں۔

درس و افاد مدۃ عمرہ واخذ عنہ	زندگی بھر درس و تدریس میں مشغول رہے
خلق لا یحصون بحد و عد،	اور ان سے بیشمار لوگوں نے استفادہ کیا

(الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند ص ۱۱ طبع المجمع العلمی دمشق ۱۳۷۷ھ ۱۹۵۸ء) (بقیہ حاشیہ ص ۲۶۷ پر)

شرعی کا حکم تحریر فرمادیا، مفتی صاحب نے مزید وضاحت چاہی، اس پر قاضی ثناء اللہ صاحب نے دوبارہ اس مسئلہ کے بارہ میں مفصل تحریر لکھدی، یہ دونوں فتوے پہلی بار منظر عام پر آ رہے ہیں

(بقیہ حاشیہ ص ۲۶۴) تلامذہ کی طویل فہرست میں مرزا حسن علی صغیر، محدث لکھنوی متوفی ۱۲۵۵ھ، مولانا سید محمد قلندر محدث جلال آبادی متوفی ۱۲۶۷ھ (ان کے شاگردوں میں محدث جلیل قاری عبدالرحمٰن پانی پتی متوفی ۱۳۰۳ھ اور سید الطائفہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی متوفی ۱۳۱۷ھ جیسے بلند پایہ حضرات ہیں) مولانا احمد علی محدث سہارنپوری متوفی ۱۲۹۷ھ کے نام بھی آتے ہیں،

درس و تدریس کے ساتھ تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی برابر جاری رہا، حدیث، فقہ، تفسیر، تجوید، تاریخ (اور اس کے دوسرے شعبوں تذکرہ و سوانح، رجال و طبقات،) عقائد، کلام، منطق، فلسفہ، نحو، صرف، طب، تصوف، ادب (نظم و نثر عربی اردو فارسی) نجوم، جفر، رمل، عملیات کے متنوع موضوعات پر ساٹھ تالیفات کا اب تک علم ہوا ہے، مولانا احتشام الحسن صاحب نے مشائخ کاندھلہ ص ۱۲۵ تا ۱۲۹ میں صرف ۳۴ تالیفات کا ذکر کیا ہے،

مفتی الٰہی بخش کی تالیفات میں خاتمہ مثنوی مولانا روم مشہور و معروف ہے، اس کی تالیف جناب نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارہ اور مولانا روم متوفی ۶۷۲ھ کے حکم پر ہوئی، ۱۲۱۶ھ میں خاتمہ مثنوی مکمل ہوا، غیورے تاریخ نکلتی ہے، خاتمہ مثنوی کا پہلا اڈیشن ۱۲۸۲ھ ۱۸۶۶ء میں نولکشور پریس لکھنؤ سے طبع ہوا، اس کے بعد سے آج تک ہر اڈیشن کے ساتھ شائع ہو رہا ہے، پروفیسر انوار الحسن شیرکوٹی نے حیات امداد ص میں خاتمہ مثنوی کی پہلی طباعت محمود المطابع کانپور مولانا احمد حسن بٹالوی ثم کانپوری کی شائع کردہ بیان کی ہے، یہ درست نہیں،

مفتی صاحب کی وفات بروز یکشنبہ ۱۵ جمادی الآخرہ ۱۲۴۵ھ ۱۳ دسمبر ۱۸۲۹ء بوقت مغرب کاندھلہ میں ہوئی، مولوی کریم الدین نے مفتی صاحب کی وفات ۱۲۵۰ لکھی ہے، یہ بھی صحیح نہیں ہے (بقیہ حاشیہ صفحہ پر)

موجودہ زمانہ میں ان مباحث کی کوئی اہمیت نہیں رہ گئی ہے، لیکن علمی تبرک اور تاریخی دستاویز کے طور پر ان کا مطالعہ مفید ہوگا، چنانچہ اسی نقطۂ نظر سے یہ فتوے پیش خدمت ہیں ان فتاوے میں سب سے اول الذکر مفتی الٰہی بخش کی قلمی بیاض سے منقول ہے، اسے نقل کرنے کے بعد مفتی صاحب تحریر فرماتے ہیں،

"مولوی محمد ثناء اللہ سلمہ اللہ در سنہ ۱۲۱۲ھ در جواب خط ایں جانب بمہر خود نوشتہ فرستادہ بودند" کاتبہ الٰہی بخش عفی عنہ،

دوسرے فتوے کی اصل قاضی صاحب کی لکھی ہوئی، راقم سطور کے ذخیرہ میں محفوظ ہے،

آخر میں آراضی ہند کے متعلق مولانا شاہ محمد اسمٰعیل شہید[1] اور مولانا رشید الدین

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو حدیقۃ الافراغ احمد بن محمد یمنی شروانی ص ۲۲۵، ۲۸۱، مطبع کلکتہ ۱۲۲۹ھ، سفینہ رحمانی عبدالرحمٰن حیرت جھنجھانوی ص ۷۶، ۷۷، نولکشور پریس لکھنؤ ۱۸۸۴ء فرائد الدہر مولوی کریم الدین پانی پتی ص ۳۰۸، مطبع العلوم مدرسہ دہلی ۱۸۴۶ء، تذکرہ مفتی الٰہی بخش قلمی مولفہ مولانا محمد سلیمان کاندھلوی، حالات بر اختتام مثنوی ص ۷۰۰، محمود المطابع کانپور ۱۳۱۹ھ نزہۃ الخواطر ص ۷۰، مشائخ کاندھلہ طبع اشاعت دینیات دہلی، ص ۵۰-۱۲)

[1] شاہ محمد اسمٰعیل (بن شاہ عبدالغنی بن شاہ ولی اللہ) فاروقی دہلوی ۱۱۹۳ھ میں پیدائش ہوئی بچپن ہی میں والد محترم کا سایہ سر سے اٹھ گیا تھا، والد کے انتقال کے بعد شاہ عبدالقادر کی تربیت میں آگئے، ابتدائی تعلیم کے بعد اکثر کتابیں شاہ عبدالقادر سے اور کچھ شاہ رفیع الدین سے پڑھیں، حدیث کا درس شاہ عبدالعزیز سے لیا، ۱۶ سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہو گئے، مولانا شہید ذکاوت و ذہانت اور قوت حافظہ میں بے مثل تھے، فنون سپہ گری اور تیراکی وغیرہ میں بھی (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

خاں وغیرہ علمائے دہلی کے فتوے بھی شامل کر دیئے ہیں، یہ مولانا ابو الحسن صاحب

(بقیہ حاشیہ) اپنی نظیر نہ رکھتے تھے مولانا شہید کا نکاح شاہ عبد القادر کی نواسی ام کلثوم سے ہوا، ان سے ایک صاحبزادے محمد عمر تھے جو ۱۲۶۸ھ میں لاولد انتقال کر گئے،

مولانا اسمٰعیل شہید ۱۲۳۴ھ میں حضرت سید احمد شہید متوفی ۱۲۴۶ھ سے بیعت ہوئے اور بیعت کے بعد سید صاحب کے ہو رہے، سید شہید کے ساتھ ہی جمادی الاخریٰ ۱۲۴۱ھ میں اللہ کے لئے راہ ہجرت میں قدم رکھا، اور اس راہ میں اپنا سب کچھ لٹا دینے کا عہد کیا، بالآخر ۲۴ ذیقعدہ ۱۲۴۶ھ (۱۸۳۱ء) کو اس پیمان وفا پر آخری مہر لگا دی، اور سرزمین بالاکوٹ کو اپنے قیمتی خون سے لالہ زار بنا کر فاطر السموات والارض کی بارگاہ میں جا پہنچے،

رد بدعت اور توحید و تصوف میں متعدد مفید اور بیش قیمت کتابیں شاہ اسمٰعیل کی یادگار ہیں، شاہ صاحب شعر و سخن کا بھی عمدہ ذوق رکھتے تھے، تعجب کہ اس خصوصیت کا تذکرہ نگاروں نے بہت سرسری ذکر کیا، شاہ صاحب کی ایک نعتیہ مناجات ۶۳ اشعار پر مشتمل اور حضرت سید احمد شہید کی شان میں اسّی شعروں کا طویل قصیدہ مولانا محمد یحییٰ مچھلی شہری متوفی ۱۳۰۵ھ کا نقل کردہ ۱۲۹۵ھ راقم سطور کی نظر سے گذرا ہے، مولانا محمد جعفر تھانیسری نے سوانح احمدی ص ۹۵ (طبع بلالی اسٹیم سادھورہ) میں اس قصیدہ کا ذکر کرتے ہوئے آٹھ شعر نقل کئے ہیں، لیکن ہمارے پیش نظر قصیدہ اور مطبوعہ سوانح احمدی کی ترتیب بہت مختلف ہے، مولانا غلام رسول مہر نے بھی جماعت مجاہدین ص ۱۲۹ (طبع کتاب منزل لاہور) میں اس مناجات اور قصیدہ کا ذکر کیا ہے، مگر مولانا مہر کے خیال میں اس کی نسبت شاہ صاحب کی جانب مشتبہ ہے،

(ملاحظہ ہو ابجد العلوم نواب صدیق حسن خاں ص ۹۱۲، مطبع شاہجہانی بھوپال ۱۲۹۵ھ
آثار الصنادید سر سید احمد خاں ص ۵۵-۵۹، نولکشور لکھنؤ، ۱۹۰۰ء، الیانع الجنی ص ۷۶، حیات ولی،

(بقیہ حاشیہ ص ۲۷۸)

کاندھلوی کی قلمی بیاض سے نقل کئے گئے ہیں، اور ہماری معلومات کی حد تک کہیں طبع نہیں ہوئے ہیں۔

(بقیہ حاشیہ ص ۱) مولوی رحیم بخش ص ۶۴۰، ۶۵۳، مکتبہ سلفیہ لاہور ۱۹۵۵ء (مرزا حیرت دہلوی نے حیات طیبہ کے نام سے شاہ اسمٰعیل شہید کی مفصل سوانح حیات لکھی ہے مگر اس کے اکثر مندرجات تاریخی حیثیت سے پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتے، حیات طیبہ مولانا ابو الکلام آزاد نے دیکھی تو فرمایا۔۔ اس میں فرضی کہانیاں لکھی ہیں اور جن کتابوں کا حوالہ دیا گیا ہے، وہ بھی فرضی ہیں، کبھی وجود میں نہیں آئیں، (نسخۂ ذاتی مولانا آزاد) تذکرۂ شہید نمبر ماہنامہ الفرقان بریلی ۱۳۵۵ھ، جماعت المجاہدین مولانا غلام رسول مہر ص ۴۰۱-۴۰۲، کتاب منزل لاہور، سیرت سید احمد شہید مولانا سید ابو الحسن ندوی ص ۵۰۳، ۵۰۴، ج ۲، طبع ادارۂ نشریات کتب لاہور ۱۹۷۶ء)

۱؎ مولانا رشید الدین بن امین الدین بن وحید الدین خاں دہلوی نے شاہ عبد العزیز، شاہ رفیع الدین اور شاہ عبد القادر سے تعلیم پائی، علم کلام اور ہیئت میں خصوصی دسترس حاصل تھی، دہلی کے انگریزی حکام نے عہدۂ قضا کی پیش کش کی، مگر مولانا نے قبول نہیں فرمائی، اور دلی کالج میں مدرس ہو گئے، مولانا رشید الدین خاں نے ۱۲۴۳ھ میں وفات پائی، بعض تذکرہ نگاروں نے مولانا کی وفات ۱۲۴۹ھ میں بیان کی ہے جو صحیح نہیں ہے،

(مزید تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو تذکرۂ فرائد الدہر ص ۲۰۰-۲۰۲، ابجد العلوم ص ۹۱۷، آثار الصنادید ص ۱۵/۴، الیانع الجنی ص ۷۷، نزہۃ الخواطر ص ۱۷۷-۱۷۸/۷،

رد شیعہ میں متعدد رسائل لکھے، جن میں الشوکۃ العمریہ بہت مشہور ہے، کئی شیعہ علماء نے اس کے جوابات لکھے، مثلاً محمد قلی بن محمد حسین کنتوری نے تشئۃ النغریہ کے نام سے اور محمد بن دلدار علی لکھنوی نے الفرقۃ الجمۃ کے نام سے، اس کے علاوہ بھی مولانا نے کئی تالیفات یادگار چھوڑیں، مولانا کی تالیفات میں سے اعانۃ المومنین

نمبرا سوال اوّل قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی

سوال بادشاہ اگر زمینے بمستحقے عطا کرد بیع وہبہ وغیرہ تصرفات شرعی در آں جائز باشد یا نہ؟

(سوال) اگر بادشاہ کوئی زمین کسی مستحق شخص کو دے تو کیا اس زمین کو بیچنا اور ہبہ کرنا یا اس میں کوئی اور شرعی تصرف کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟

(بقیہ حاشیہ ص ۲۷۸) دامانۃ الملحدین دورد راجہ رام موہن رائے) مولانا نور الحسن بن مولانا ابو الحسن (متوفی ۱۲۸۵ھ ۱۸۶۸ء) کاندھلوی کی نقل کردہ ہمارے ذخیرۂ کتب میں محفوظ ہے، مولانا کی ایک اور تالیف عزۃ الراشدین کا قلمی نسخہ بعض خاندانی اعزہ کے ذخیرۂ کتب میں موجود ہے، مولانا رشید الدین کے ایک صاحبزادے مولانا سدید الدین تھے جو دلی کالج میں مدرس بھی رہے، (دیکھئے مرحوم دلی کالج ص ۴۰، ڈاکٹر مولوی عبد الحق، طبع انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن ۱۹۳۳ء) افسوس ان کے مفصل حالات کہیں نہیں ملتے،

لے مولانا ابو الحسن (بن مفتی الٰہی بخش صدیقی کاندھلوی) نے اپنے والد بزرگوار سے تعلیم حاصل کی، علم فرائض، اور طب میں امتیازی شان رکھتے تھے، گوشہ نشین اور تارک الدنیا بزرگ تھے درس و تدریس کا شغلہ رہتا تھا اور شعر و سخن کا بھی پاکیزہ ذوق رکھتے تھے، مولانا کا کلام سادہ مگر پُر تاثیر ہے مولانا کی مثنویاں میں محبت خداوندی کو جوش میں لانے کی بڑی صلاحیت ہے، حقائق و معارف میں کئی مثنویاں یادگار ہیں، مولانا حکیم عبد الحئی لکھتے ہیں کہ لہ عدۃ رجارت مشہورۃ بالہندیۃ فی الحقائق والمعارف علی نہج المثنوی المعنوی (نزہۃ الخواطر ص ۱۰) ان مثنویوں میں گلزار ابراہیم بہت مشہور ہے، گلزار ابراہیم اور اس کا دفتر اوّل مثنوی بحر الحقیقت کے نام سے مولف کی حیات میں پہلی بار طبع ہوا، اس کے بعد سے آج تک برابر چھپ رہا ہے، خصوصاً گلزار ابراہیم کو جو قبول عام حاصل ہوا، وہ اردو کی بہت کم کتابوں کے حصہ میں آیا ہوگا دوسری تالیفات میں مثنوی جد وجد، مثنوی بجھ بوجھ، منبع فیض العلوم اردو ترجمہ (بقیہ حاشیہ ص ۲۸۰ پر)

جواب اگر زمین موات کہ کسے مالک آں	جواب اگر افتادہ اور ویران زمین کا کوئی مالک نہ
زمین نباشد، بادشاہ شخصے عطا کرد	ہو اور بادشاہ اسے کسی کو دیدے اور زمین
ومعطی لہ آں زمین را احیا نمودہ معطی لہ	پانے والا اسے آباد اور قابل انتفاع

(بقیہ حاشیہ ص) مثنوی مولانا روم (یہ بھی ایک بار طبع ہو چکا ہے) منظوم یادگار ہیں، طب میں بحران پر ایک رسالہ اور فرائض میں حل الغوامض کے نام سے ایک ضخیم کتاب تالیف کی،

مولانا نے اپنا کلام بھی مرتب کیا تھا، اردو و فارسی کلام کے مجموعے چند سال پہلے موجود تھے،

مولانا حسن کو حضرت سید احمد شہید کی تحریک جہاد سے بڑی دلچسپی اور گہری وابستگی تھی، مولانا نے سید صاحب کی شان میں متعدد قصیدے کہے، اور ایک رسالہ جہادیہ لکھا، مولانا نے سید صاحب کی حج سے واپسی پر ایک طویل قصیدہ پیش کیا تھا، اس کے کچھ اشعار مولوی محمد جعفر تھانیسری نے سوانح احمدی ص ۶۶-۶۹ (طبع ہلالی پریس ساڈھورہ) میں اور مولانا غلام رسول مہر نے سید احمد شہید ص ۲۴۲-۲۴۳ (اول کتاب منزل لاہور) میں نقل کئے ہیں، مولانا حسن کی بیاض میں مکمل قصیدہ خود مولانا کا تحریر کردہ موجود ہے،

نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ نے گلشن بیخار میں، سعادت خاں ناصر نے خوش معرکۂ زیبا میں اور شیر محمد خاں سرور نے عمدۂ منتخبہ میں مولانا حسن کا ذکر کیا ہے، ان کے علاوہ متعدد تذکرہ نگاروں نے یہاں لانا کا ذکر ملتا ہے،

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی متوفی ۱۳۱۷ھ مولانا ہدایت اللہ فارسی سورتی متوفی ۱۳۲۵ھ اور شاہ عنایت علی صابری جیسے علما آپ کے شاگردوں میں ہیں،

۱۴ جمادی الاخری ۱۲۷۰ھ ۲ مارچ ۱۸۵۴ء بروز چہارشنبہ کاندھلہ میں وفات پائی (حالات کیلئے دیکھئے سفینہ رحمانی ص [illegible]، تذکرہ مفتی الٰہی بخش مشمولہ خاتم مثنوی ص [illegible]، نزہۃ الخواطر ص ۱۰، مشائخ کاندھلہ ص ۱۴۳-۱۴۴)،

مالک رقبہ آں زمین می شود، بعد
مردن معطی لہ بوارثہ او می رسد و بیع
وغیرہ تصرفات در رقبۂ آں زمین جائز
می شود و عشر یا خراج آں زمین از
معطی لہ بادشاہ بگیرد و در مصرف آں
خرچ کند و اگر معطی لہ مصرف عشر یا
خراج باشد جائز است کہ بادشاہ
عشر و خراج آں زمین بمعطی لہ
بہبہ یا ہرگاہ خود از معطی لہ موقوف کردہ دیگر
بدہد و اگر زمینے است مزروعۂ بیت المال
و بادشاہ آں زمین را بشخصے مستحق بانعام عطا
بدہد معطی لہ مالک رقبۂ آں زمین می شود و حکم
خراج آں زمین ہمین است کہ
بالا گذشت، و اگر محصول آں زمین
برائے کسے بطریق عاریت تحریر
کرد، آں کس مالک آں زمین
نمی شود، و بیع و ہبہ دراں جائز نیست
و اگر زمینے است مملوک دہقانان خراج
آں زمین را بادشاہ در وجہ مدد معاش

بخشدے، تو یہ شخص اس زمین کا مالک ہو جائیگا
اس کے مرنے کے بعد وہ زمین اسکے ورثہ کو ملیگی
اور اس میں بیع وغیرہ ہر قسم کے تصرفات ہو سکتے
ہیں، اس زمین کا عشر یا خراج لیکر بادشاہ
ان کے مصارف میں خرچ کریگا اور اگر زمین
والا خود عشر یا خراج کا مستحق ہو تو بادشاہ
کیلئے اس زمین کا عشر یا خراج اسے دیدینا
جائز ہے، لیکن اگر وہ شخص خود لینے سے
باز رہے تو بادشاہ دوسرے کو دے سکتا ہے،
اور اگر بیت المال کی کاشت کے لائق کوئی
زمین ہو اور بادشاہ کسی مستحق آدمی کو ہمیشہ
کیلئے بطور انعام دیدے تو یہ شخص زمین کا
مالک ہو جائیگا اور اسکے خراج کا بھی وہی
حکم ہوگا جو اوپر بیان کیا جا چکا ہے، لیکن اگر
اسی زمین کی پیداوار کسی شخص کیلئے بادشاہ
نے عاریۃً تحریر کی ہو تو وہ شخص نہ اسکا مالک
ہوگا اور نہ ایسی زمین کی بیع و ہبہ جائز ہے،
اور اگر کوئی زمین کاشتکاروں کی ملکیت میں
ہو اور اس کا خراج بادشاہ کسی مستحق شخص

بلکہ از ارباب استحقاق عطا کرد،
عطا مؤید، غیر مؤید چنانچہ رسم بادشاہان
ہندوستان بیع و ہبہ وغیرہ تصرفات در آں
جائز است اگرچہ خراج حقے است
از حقوق ... عہ شے موجود نیست لہذا
معطی لہ بعد قبض کردن غلہ خراج مالک
غلہ می شود پیش از قبض مالک نمی شود
پس بیع و ہبہ تصرفات شرعی در وجہ
مدد معاش جائز نیست و بعد فوت
معطی لہ در ارث نہ آید در اختیار
بادشاہ است یا نائب او کہ صدر است

روایات مختلفہ کہ در کتب فقہ در حق
عطائے سلطانی مرقوم است در ضعیف
روایات محکمہ نیست بلکہ باعتبار اختلاف
اقسام زمین است، محل جواز بیع

کو گذر بسر کیلئے بطور امداد مستقل طور
یا غیر مستقل طور پر دیدے، جیسا کہ ہندوستان
کے بادشاہوں کا دستور ہے تو ایسی
زمین میں بیع و ہبہ وغیرہ ہر طرح کے
تصرفات جائز ہیں، کیونکہ خراج کی
حیثیت ایک شرعی حق کی ہے، .....
اس لئے جس کو خراج گذر بسر کے لئے دیا
گیا ہو وہ خراج پر قابض ہونے کے بعد پیداوار کا
مالک ہوگا، قبضہ سے پہلے مالک نہ ہوگا پس جو چیز
گذر بسر کیلئے بطور مدد دی گئی ہو اسمیں بیع و
یا اور کوئی شرعی تصرف جائز نہیں ہے اور نہ
مرنے کے بعد اس میں وراثت جاری ہوگی
بلکہ یہ بادشاہ یا اس کے قائم مقام شخص
کے جو صدر ہوگا، اختیار میں رہیگی،
عطائے سلطانی کے متعلق فقہی کتابوں میں
جو روایتیں درج ہیں، ان میں ضعف کا
احتمال نہیں ہے، بلکہ ان میں احتمالات
دراصل زمین کی قسموں کے اختلاف کی وجہ

عہ یہ لفظ واضح نہ ہو سکا

وغیرہ تصرفات دیگر است ومحل
عدم جواز دیگر،
دریں بلدہ پانی پت کہ بیع مدد معاش
رواج دارد ایں بیع رواجی عرفی
ست موافق قاعدۂ شرع نیست،
مگر بیع رقبۂ زمین کہ مالک قبضی کند
شرعاً جائز [illegible] فذ است
واللہ اعلم،

پائے جاتے ہیں بیع وغیرہ تصرفات کے جواز کا
محل دوسرے ہے اور عدم جواز کا اور،
اس شہر پانی پت میں مدد معاش کے لئے
دی جانی والی چیزوں کی بیع کا جو رواج
ہے وہ شرعی قاعدے کے موافق نہیں ہو بلکہ
عرفی اور رواجی قاعدہ کے مطابق ہو البتہ
رقبۂ زمین کا مالک جو بیع کرے گا وہ شرعاً
جائز اور نافذ ہوگی، واللہ اعلم،

(۲)

مکتوب گرامی قاضی ثناء اللہ پانی پتی بنام مفتی الٰہی بخش کاندھلوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
مولوی صاحب مشفق مہربان من سلامت،
بعد از سلام سنت الاسلام وامنح
رائے گرامی باد سابق خط سامی
معہ سوال فتوی وحکمنامہ مہری
قاضی محمد اعلیٰ در بارہ حکم قاضی بر طبق
دستور العمل بادشاہی در باب
مدد معاش رسیدہ بود وجواب آں
خط مع جواب آں مسئلہ ہماں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
میرے مشفق و مہربان مولوی صاحب!
سلام مسنون کے بعد معلوم ہو کہ آپ کا
پہلا خط مع استفتا ملا تھا، اس کے
ساتھ قاضی محمد اعلیٰ کی مہر لگا ہوا وہ
حکمنامہ بھی تھا جو مدد معاش کے بارہ میں
بادشاہ کے دستور العمل کی مطابقت پر
قاضی کے حکم کے بارہ میں تھا اس خط اور
استفتا کا جواب خط لانے والے کو تحریر

وارندہ خط نوشتہ فرستادہ بودم
ظاہرا آں خط نزد آں مہربان نہ
رسیدہ، عبارت آں سوال وحکم
قاضی محمد اعلی مفصل یاد نیست لیکن
فتوی ایں باب نوشتہ می شود کہ
زمین ہائے ہندوستان مثل ارضی
سواد عراق مملوک بادشاہ اسلام نیست
ونہ مملوک مسلمانان بلکہ مملوک اہل آں زمین
ہست اگرچہ کفار باشند قال
فی الہدایہ،
ارض السواد مملوکۃ لاہلہا یجوز
بیعہم لہا وتصرفہم فیہا لان الامام
اذا فتح ارضا عنوۃ وقہرا لہ ان
یقر اہلہا علیہا ویضع علیہا الخراج
فتبقی الارض مملوکۃ لاہلہا،
وخراج حقے است اسلامی متعلق
بزمین وارد، بادشاہ متولی اخذ
آں خراج است وصرف آں در
مخرج، اگر در غیر مصرف خرچ کند

کرکے بھیج چکا ہوں، مگر غالبا وہ آنجناب
کو نہیں ملا، سوال کی عبارت اور قاضی
محمد اعلی کے فتوی کی تفصیل تو یاد نہیں
رہی، تاہم اس بارہ میں فتوی تحریر
کیا جاتا ہے،
سواد عراق کی زمینوں کی طرح ہندوستان
کی زمینیں بھی نہ مسلمان بادشاہ کی
ملکیت ہیں، اور نہ مسلمانوں کی، بلکہ ان کے
مالک زمین والے ہی ہونگے خواہ یہ کافر
ہی کیوں نہ ہوں، صاحب ہدایہ فرماتے ہیں
سواد کی زمین زمین والوں کی ملکیت میں ہوگی
ان لوگوں کو اسے بیچنے اور اس میں تصرف
کرنے کا حق حاصل رہیگا کیونکہ جب امام کسی
زمین کو زبردستی فتح کرے تو وہ اس پر زمین
والے کے قبضہ کو برقرار رکھے گا، اور
اس پر خراج عاید کریگا، اس طرح زمین
پہلے کی طرح، اپنے مالک کی ملکیت اور
تصرف میں رہیگی، زمین پر خراج
ایک اسلامی حق ہے، بادشاہ اسکو

عاصی باشد قال فی فتاوی الرحمانی
الامام کما یجوز الامساک عن المصرف
فکذا لا یجوز الصرف فی غیر المصرف

لینے اور اسے اسکے مصرف میں خرچ کرنیکی وجہ سے
جو اجی گروہ بیجا مصرف میں خرچ کریگا تو گنہگار
ہوگا چنانچہ فتاویٰ رحمانی میں ہے کہ جس طرح
خرچ سے رکنا امام کیلئے جائز نہیں ہے
اسی طرح بیجا مصرف میں خرچ کرنا بھی
جائز نہیں ہے،

و خراج امرے است معدوم
تملیک آں ممکن نیست،
بادشاہاں کہ مدد معاش باہل
استحقاق می دہند حاصلش آن است
کہ ہرگاہ کہ خراج آں زمین
بدست آید آں مستحق آں خراج
را بگیرد و بعد قبض آں را
مالک شود قال فی فتاوی الرحمانی
اختلف العلماء فی حکم الوظیفۃ التی
یعطیہا الامام لبعض المستحقین من
خراج الارض وغیرہ ہل یملکہ
المعطی لہ قبل القبض فعند الجمہور
لا یملکہ قبل القبض و یملکہ عند القبض

دراصل خراج ایک ایسی معدوم چیز
ہے جس کی تملیک جائز نہیں،
بادشاہ مستحقین کو گذر بسر کے لئے
جو کچھ دیتے ہیں اسکا حاصل یہ ہے کہ جب
بھی اس زمین کا خراج حاصل ہوگا تو مستحق
اس کو لے گا اور قبضہ کے بعد اسکا مالک
ہو جائیگا فتاوائے رحمانی
میں ہے:-
بادشاہ بعض مستحقین کو زمین کے خراج وغیرہ
کی صورت میں جو انعام دیتا ہے اسکے حکم میں
میں علماء کا اختلاف ہے کہ آیا قبضہ سے
پہلے ہی وہ شخص اس کا مالک ہو جائیگا
جب انعام ملا ہے یا بعد میں؟ جمہور کے نزدیک

قول الجمہور ہو موافق لقوانین
الفقہیہ فان الاصل ان المعدوم
لایصح تملیکہ ولا یصح من التصرفات
فیہ و لہذا المعطی لہ فروختن حق خراج
زمین جائز نیست و ہم در ارث
نمی آید فال فی الفتاوی الاحمدیہ
وغیرہا،

الاراضی التی اعطاہا الامام لرجل
علی وجہ الادرار لا الاستحقاق لا
یصیر ملکا لہ فلا تباع ولا توہب لا
تورث و لہذا یوضع الخراج فی
بیت المال عند موت المعطی لہ
فہی مفوضۃ الی رای الامام
اونائبہ وکذا فی تاتارخانیہ والمحیط
پس بعد موت معطی لہ بادشاہ
وقت اگر خواہد مستحق داند
بورثہ او تجویز کند و اگر خواہد کسے

قبضہ سے پہلے مالک نہیں ہوگا، اور بعض
لوگوں کے نزدیک ہو جائیگا، جمہور کا مسلک
فقہی ضابطوں کے موافق ہے، کیونکہ اصول
یہ ہے کہ معدوم کا مالک بنانا، اور اس میں
تصرفات کرنا صحیح نہیں ہے، اسی بنا پر
انعام پانے والے شخص کے لیے زمین کے
خراج کو فروخت کرنے کا حق نہیں ہے
اور اس کے اندر وراثت بھی نہیں ہوگی
فتاویٰ احمدیہ وغیرہ میں ہے کہ:
جن زمینوں کو امام استحقاق کے طور پر کسی
شخص کو دیدیتا ہے تو یہ شخص ان زمینوں کا
مالک نہیں ہوتا ہے، اس وجہ سے نہ ان کو
بیچا اور نہ ہبہ کیا جائیگا اور نہ ان میں
وراثت چلے گی، بلکہ عطا کیے جانے والے
کی وفات کے بعد خراج بیت المال
میں داخل کر دیا جائیگا، فتاویٰ تاتارخانیہ
اور محیط میں بھی یہ مسئلہ اسی طرح بیان ہوا ہے
پس اس کے مرنے کے بعد اگر بادشاہ
وقت مستحق سمجھے گا، تو اس کے ورثہ کے لیے

دیگرے بدہد و اگر خواہد در بیت المال
جمع دارد، لیکن ایں حکم بہ بادشاہ
حال تعلق دارد وبعد ازاں کہ بادشاہ
میرد یا معزول شود حکم او معتبر نیست
از بسکہ بادشاہان در ہر
بلدہ خود نمی توانستند رسید لہذا صدور
جزء مقرر کردہ بودند و دستور العمل
نوشتہ دادہ بودند کہ موافق ایں
دستور العمل ورثہ وارثان معطی
لہ آراضی مدد معاش را تقسیم
می کردہ باشند، آں دستور العمل
تا وقت حیات ایں بادشاہ
جاری و معتبر است، صدور
برآں عمل کند، و قاضیان ہم حکم
صدور را کہ نائب بادشاہ جاری
دارند، لیکن بعد موت آں
بادشاہ آں دستور العمل معتبر
نیست،
و آنچہ قاضی اعلیٰ نوشتہ اند کہ دستور العمل

اسے تجویز کر دیگا، اور اگر چاہے گا تو
دوسرے شخص کو دیدیگا، اور اگر چاہیگا
تو بیت المال ہی میں محفوظ رکھے گا
لیکن یہ واضح رہے کہ یہ حکم موجودہ
بادشاہ سے متعلق ہے، کیونکہ اگر بادشاہ
کا انتقال ہو جائے یا وہ معزول کر دیا
جائے تو اس کا حکم معتبر نہ ہوگا، خلاصہ کلام
یہ ہے کہ بادشاہ اپنی سلطنت کے تمام
شہروں میں نہیں پہنچ سکتے تھے اس لئے
وہ صدور کو مقرر کرتے، اور اپنا
دستور العمل تحریر کرتے تھے، اسی کے
مطابق انعام پانے والے کے ورثہ
معاشی مدد کے لئے دی جانے والی زمینوں
کو تقسیم کرتے ہیں، یہ دستور العمل بادشاہ
کی زندگی تک جاری و معتبر سمجھا جاتا ہے،
صدور اسی پر عمل کرتے ہیں اور قضاۃ بھی صدور
کے حکم کو جاری کرتے ہیں کیونکہ وہ بادشاہ کے نائب
ہوتے ہیں، لیکن بادشاہ کی موت کے بعد وہ دستور العمل معتبر نہیں رہتا
باقی قاضی اعلیٰ نے جو یہ تحریر فرمایا ہے کہ

شاہجہانی منسوخ گشتہ و دستور العمل
عالمگیری معتبر ماندہ، این سخن
اصلی ندارد و در فہمید ما نمی آید
معتبر تجویز بادشاہ حال است،
اگر در زمانہ بادشاہ حال مسلط
نباشد در آں صورت مدد معاش
ہاے این دیار دو قسم اند،
یکے آنست کہ زمینداران از
قسم گوجر و جاٹ و مانند آں
بر آں قابض اند چنانچہ در دیہات
و ملکے و خراج آں زمین از
زمیندار بگیرند، این قسم خراج
بیچ وجہ در بیع نمی تواند آید مگر
مگر آنکہ بطریق عرف آنچہ میگیرند
میگیرند،
و قسم دیگر مدد معاش آن ست
کہ در اکثر قصبات است کہ زمیندار
سواے ملکیان کسے دیگر نیست
و ہماں ملکے زمیندار است در یں

شاہجہانی دستور العمل منسوخ ہو گیا ہے اور
عالمگیری دستور العمل معتبر ہے، تو اسکی کوئی بنیاد
نہیں کیونکہ یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی موجودہ
بادشاہ کی تجویز کا اعتبار ہوتا ہے، اگر کسی
زمانہ میں بادشاہ کا تسلط باقی نہ ہو تو ایسی
صورت میں اس علاقہ کی گذر بسر کیلئے دیجانیوالی
امدادی زمینوں کی دو قسمیں ہیں،
پہلی قسم ان زمینوں کی ہے، جن پر گوجر، جاٹ
یا اور قوموں کے زمیندار قابض ہو گئے
دیہات اور دوسرے علاقوں میں
ان زمینوں کا خراج زمیندار سے لیا
جاتا ہے، اور اس طرح کے خراج کو
کسی صورت میں فروخت نہیں کیا جا سکتا
ہے، بجز اس کے کہ لوگ رواج کے مطابق
جو کچھ حاصل کر لیں، کر لیں،
معاشی امداد کے لئے دیجانی والی زمینوں
کی دوسری قسم میں اکثر قصبات کی وہ
زمینیں ہیں جن کے مالک زمیندار کے سوا
اور کوئی نہیں ہوتا ایسی صورت میں اگر

صورت اگر آں ملکے زمین خود را	مالک اپنی زمین کو فروخت کرے تو اُسکی
بفروشد بحکم زمینداری بیع او	بیع زمینداری کے قاعدہ سے جائز ہوگی
جائز است و ہم وراثت می آید	اور اس میں وراثت بھی جاری ہوگی
و موافق فرائض اللہ تقسیم کردہ	اور اللہ کے مقرر کردہ قاعدہ کے مطابق
بدہد، و خراج ایں زمین جو کسے	ان کی تقسیم بھی ہوگی، اگر کوئی بادشاہ
بادشاہ مسلط نباشد ہماں مشتری	نہ ہو تو ایسی زمین کا خراج خود خریدنے
می خوردہ باشد کہ حق اخذ خراج	والا کھائیگا، اور اس میں کوئی شخص مزاحمت
ہر بادشاہاں راست یا کسے کہ	نہیں کرسکتا، کیونکہ خراج لینے کا حق
بادشاہ حال بوے تجویز کردہ	صرف بادشاہ کو ہے یا ایسے شخص
بدہد، دریں صورت کسے را	کو جس کو موجودہ بادشاہ نے
دعویٰ مزاحمت نمی رسد	تجویز کیا ہو،
در عہد محمد شاہ بادشاہ چوں	سلطان محمد شاہ نے اپنے دور میں عالمگیری
بادشاہ حال دستور العمل عالمگیری	دستور العمل کو باقی رکھا تھا، اس لئے اسی
را مسلم داشتہ باشد آں دستور العمل	کو موجودہ دستور العمل سمجھا جائیگا اور
ہم بادشاہ حال شدہ داگر	اگر موجودہ بادشاہ اس کے مخالف
خلاف دستور العمل ہم بادشاہ	دستور العمل کو تجویز کرے تو یہ بھی جائز
تجویز کردہ بدہد آں تجویز ہم جائز	ہوگا، غرضیکہ خراج کے معاملہ میں موجودہ
باشد غرضیکہ ایں امر بابت خراج	بادشاہ کے حکم کے بغیر محکمۂ قضا میں کسی
کسے را با دیگرے بدوں حکم جدید	شخص کا دوسرے شخص پر دعویٰ نہیں

بادشاہ حال در محکمۂ قضا دعوی مسموع
نیست، و دریں ایام احوال بادشاہ
معلوم است و صدر جز از مدتے
در پرگنات نیست کہ در تجویز مدد
معاش و در نائب بادشاہ گفتہ شود
اگر کسے نزد صدر الصدور می رود
صدر الصدور را نہ ملاحظہ دستور العمل
است، نہ ملاحظہ اجازت بادشاہ
نہ دریافت استحقاق ہر کس کہ زود
دو روپیہ می دہد او را نوشتہ می دہد
اگر طرف ثانی می رود از وہم دو
روپیہ گرفتہ نوشتہ می دہد، نوشتہ
او را چہ اعتبار،

وقاضیاں حاکمان شرع اگر حکم
کنند موافق شرع حکم کنند و اگر
تجویز صدر جز یا تجویز بادشاہ متحقق
باشد قاضی آں تجویز را جاری نمایند

سنا جائیگا، اس زمانہ میں بادشاہ کے
حالات معلوم ہیں اور مدت سے پرگنوں
میں ایسے صدر بھی نہیں رہے، جو
معاشی امداد کی تجویز میں بادشاہ کے
نائب کہلائے جاسکیں،

اگر کوئی صدر الصدور کے پاس جاتا
ہے تو اس کا حال یہ ہے کہ اس نے
نہ دستور العمل کو دیکھا ہے اور نہ اسے
بادشاہ ہی کی اجازت حاصل ہے، اور
نہ وہ یہ جانتا ہے کہ کس کا کیا حق ہے جو
شخص اس کے پاس جاتا ہے دو روپے
دیتا ہے، اور اس کے لئے فرمان جاری
ہو جاتا ہے اگر فریق مخالف بھی جائے
تو دو روپیہ لیکر اس کو بھی نوشتہ دیدیا
جاتا ہے، ظاہر ہے ایسے نوشتہ کا کیا اعتبار

قاضیوں کی حیثیت شرعی حکام کی
ہے، وہ اگر فیصلہ کرتے ہیں تو شرع کے
مطابق کرتے ہیں، اگر صدر یا بادشاہ
کی تجویز سے کوئی شخص مستحق قرار پاتا

ایں ہم گنجایش دارد، کہ ایں ہم حکم شرع است، اگرنہ خود قاضی را در غیر دستور العمل یا خلاف دستور العمل تجویز کردن و حکم نمودن نمی رسد کہ قاضیان دریں مادہ نائب بادشاہ نیستند،

ثنا محمد اللہ
۱۲۱۱

ہے تو قاضی اس تجویز کو جاری کر سکتا ہے، اس کیلئے صرف اسی قدر گنجایش ہے مگر باقی قاضی کو دستور العمل کے موافق یا مخالف کوئی چیز تجویز کرنے اور حکم جاری کرنے کا حق نہیں ہے، کیونکہ قاضی بادشاہ کے نائب نہیں ہوتے،

(۳)

فتویٰ مولانا شاہ محمد اسماعیل شہید و مولانا رشید الدین خان وغیرہ علمائے دہلی

لو اعطی الامام لفقیر مستحق شیئا من الارض المیتة فاحیاہ باذنہ ہل یصیر ملکا لہ ام لا؟

اگر امام کسی مستحق اور ضرورت مند شخص کو مردہ زمین میں سے کچھ دیدے اور وہ امام کی اجازت سے اسکو آباد کردے تو کیا یہ شخص اس زمین کا مالک ہوگا یا نہیں؟

الجواب: قال نعم وکذا لو اعطی الامام لفقیر مستحق شیئا من الارض النامیة یصیر الفقیر مالکا لہ لانہ بمنزل المتصدق والفقیر یملک التصدق باستحقاقہ کذا ہذا، ولو باع الفقیر ہذا

اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں وہ مالک ہو جائیگا اسی طرح اگر امام کسی محتاج مستحق کو کوئی آباد اور نفع بخش زمین دے تو محتاج اس کا مالک ہو جائیگا کیونکہ اسکی حیثیت صدقہ کی ہوگی اور ضرورتمند اپنے استحقاق کی وجہ سے صدقہ کا مالک ہو جائیگا اور اگر

ھذا الارض جاز بیعہ و شراءہ لانہ
یملکہ و ہو الصحیح و ذکر فی الکبریٰ
اذا اعطی السلطان ارضا الرجل
استحقاقاً لا یصیر تملک الارض
ملکا لہ ولا یجوز بیعہا، ولا ترٰی
انہ اذا مات ذالک الرجل یوضع
خراج الارض المذکور فی بیت
المال و ہکذا اختارہ صاحب الذخیرۃ
لکن الفتویٰ فی زماننا علی الروایۃ
الاولیٰ لان العرف شاہد لہا
والفتوی یتغیر بتغیر الزمان من
فتویٰ مختصر شاہی ۔

محتاج نے یہ زمین بیچ دی تو اس کی
خرید و فروخت جائز ہے، کیونکہ وہ اس کا
مالک ہے، یہی صحیح فتویٰ ہے، اگر
کبریٰ میں مذکور ہے کہ جب بادشاہ
کسی شخص کو استحقاق کی وجہ سے کوئی
زمین دے تو وہ اس زمین کا مالک نہ
ہوگا اور نہ اس کی بیع جائز ہوگی،
کیونکہ جب یہ شخص فوت ہو جائیگا
تو مذکورہ زمین کا خراج بیت المال
میں داخل کیا جائیگا، صاحب ذخیرہ
کا مختار قول یہی ہے، لیکن ہمارے
زمانہ میں فتویٰ پہلی روایت پر ہے،
کیونکہ وہ رواج کے مطابق ہے اور
زمانہ کے تغیر سے فتوے بھی بدل
جاتے ہیں، (دیکھو فتویٰ مختصر شاہی)